ĪQĀN- Vol: 03, Issue: 01, Dec-2020
DOI: 10.36755/iqan.v3i01.238 PP: 77-96

OPEN ACCESS
ĪQĀN
pISSN: 2617-3336
eISSN: 2617-3700
www.iqan.com.pk

اقتصادی معاملات میں ریاستی مداخلت کا اسلامی تصور: تحقیقی مطالعہ

The Concept of State Intervention in Economic Affairs: Study of Islamic Injunctions

* ***Maria Ashraf***
Ph. D Scholar, Department of Islamic Studies,
The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan.
< *marwa5509070@gmail.com* >

*****Dr. Abdul Rouf Zahid***
Assistant Professor, Department of Islamic Studies,
National college of Business and Administration, Multan, Pakistan.
< *abdulroufzahid@gmail.com* >

Version of Record
Received: 12-Jul-20
Accepted: 01-Nov-20
Online/Print: 30-Dec-20

ABSTRACT

Islam is a Religion in line with nature. It introduced its own economic system that up to the man's needs and requirements. It contradicts the communism and capitalism and claims that Islamic economic structure guarantees the welfare of humanity. In this setup, the buyers and sellers are free to make their deals and every person has the equal opportunities to be a wealthy and prosperous trader. Muslims had implemented this system in their golden era and showed the benefits of this setup to world The basic question has been raised either state has authority to interfere the economic deals, why state is interested to involve or what would be the limits of their involvement. In this paper Descriptive Method and Comparative Study are used to study the concept of interference of state in economic matters. This research paper is an effort to understand the Islamic point of view that to what extent the Islamic State can interfere in economic policies, according to the Islamic injunction. In this article, it has been elaborated that the State has the legal and ethical right to intervene the economic matters when hoarding usury and gambling is rampant.

Keywords: *Economic System; Islam; Communism; Capitalism; Islamic State; Interference.*

CC BY

تعارف:

معاشیات کا شعبہ اجتماعی نظام حیات کا اہم ترین گوشہ ہے۔ کسی بھی ریاست میں اقتصاد کو ریڑھ کی ہڈی کی حثییت حاصل ہے اور اقتصادی و معاشی مضبوطی ہی کسی بھی ریاست کی فلاح کی ضامن ہوتی ہے۔ اسلام چونکہ زندگی کے تمام سیاسی، اقتصادی،، اجتماعی اور عسکری شعبوں کو شامل ہے اور دنیا و آخرت میں لطیف توازن قائم کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام کا اقتصادی نظام ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیے قابلِ عمل ہے اور عصر حاضر کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔

حکومت کی تشکیل وتاسیس اور طریقۂ انتخاب سے لے کر اس کی توسیع واستحکام تک آئینی اور اصولی نظریات سے عملی جزئیات تک ہر مرحلے کے لیے اسلامی تعلیمات میں مکمل ہدایات موجود ہیں، ریاست اور حکمران اپنے ماتحت افراد سے متعلق عدل وانصاف قائم کرنے اور معاشی و اقتصادی معاملات کی بہتری کیلئے جوابدہ ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ ساتھ خلافت ارضی سے بھی سرفراز کیا گیا تھا، لہٰذا انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ"[1]

"اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے؛ اس لیے لوگوں کے لیے آپ کے فیصلے کی بنیاد خالص حق پر ہونا چاہیے، لوگوں کی خواہشات اور تقاضوں کے پیچھے نہ چلیں ورنہ وہ راہِ حق سے آپ کو دور کردیں گے"

یہ حقیقت ہے کہ گذشتہ ادوار کی نسبت آج کے انسان کیلئے جہاں سہولیات آسانی سے میسر ہیں وہیں بڑھتی ہوئی ترقی اور معاشی وسائل کی فراہمی اور معاشی و اقتصادی انصاف کیلئے حکومتی و ریاستی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوا ہے، للذا دورِ جدید میں اسلامی ریاست وحکومت کیلئے معاشی و اقتصادی معاملات میں مداخلت گذشتہ ادوار کی نسبت بڑھ چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اس کی حدود و قیود کے مطالعہ کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ مقالہ ہذا میں اس امر کا خصوصی جائزہ لیا گیا ہے کہ؛

- ریاست کیلئے اقتصادی و معاشی امور میں مداخلت سے متعلق اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟
- ریاستی مداخلت کا دائرہ کار کن امور میں شرعی اعتبار سے جائز ہے؟

اقتصاد و معاشیات کے معانی و مفاہیم:

معیشت اور اقتصاد کے الفاظ روزی کمانے اور مالی امور میں مستعمل ہیں۔ اقتصاد کی اصطلاحی تعریف یوں ہے:

"الاقتصاد: علم يبحث فى كل ما يتعلق بالثروة والمال والتكسب والتملك والنفاق والاقتصاد يبحث أيضاً فى مسائل الانتاج والاستثمار ومسائل الانتفاع والخدمات مسائل الغنى والفقر"[2]

"علم الاقتصاد علم انسانی کے اس خاص حصّے کا نام جس کا موضوع دولت ہے اور جس کا مقصد یہ معلوم کرنا ہے کہ دولت کی

---

[1] ص:۲۶.

[2] احمد شرباصی، **المعجم الاقتصادی الاسلامی** (بیروت: دار الجیل، ۱۴۰۱ھ)، ۳۶۔

پیدائش، تقسیم، تبادلے اور استعمال کے اصول و اسباب و طریق کیا ہیں"

درج بالا تعریف کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اقتصاد کا تعلق انسانی زندگی کے روز مرہ معاملات و ضروریات سے ہے تاکہ انسان خوشحال زندگی کے لوازمات حاصل کرے۔

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت میں ریاستی مداخلت کا تصور:

مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اور مشرق کا اشتراکی نظام دنیا کی معاشی ترقی اور خوشحالی کے علم بردار رہے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد ایڈم سمتھ (1790ء) نے رکھی جو ایک برطانوی فلسفی اور ماہر اقتصادیات تھا۔ سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) ایک معاشی و معاشرتی نظام ہے جس میں سرمایہ بطور عاملِ پیدائش نجی شعبہ کے اختیار میں ہوتا ہے۔ اشتراکی نظام کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام میں نجی شعبہ کی ترقی معکوس نہیں ہوتی بلکہ سرمایہ داروں کی ملکیت میں سرمایہ کا ارتکاز ہوتا ہے ۔ سرمایہ دارانہ نظام میں ذاتی منافع اور ذاتی دولت و جائیداد و پیداواری وسائل رکھنے میں ہر شخص مکمل طور پر آزاد ہے، حکومت کی طرف سے اس پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ تاہم دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کہیں بھی مکمل قائم نہیں ہو سکا، کیونکہ حکومت و ریاست کو کسی نہ کسی طرح اقتصادی معاملات میں مداخلت کرنی پڑتی ہے۔ سرمایہ درانہ نظام کا بنیادی اصول "بے قید مشقت" ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ صنعت و تجارت اور کسب معاش کے تمام طریقے اور معاشیات کا پورا نظام ہر قسم کے سرکاری قانون اور مذہبی پابندیوں سے کامل طور پر آزاد ہونا چاہیے، حکومت اور مذہب کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ فرد کے معاشی اور اقتصادی نظام میں کسی قسم کی مداخلت کرے۔ فرد کی حد سے بڑھی ہوئی یہ آزادی اس مفروضے پر قائم ہے کہ ہر شخص اپنے اچھے برے کی سمجھ خود رکھتا ہے، لہٰذا ریاست کی مداخلت کی ضرورت نہیں ہے۔

انیسویں صدی میں کارل مارکس (1883ء) فریڈرک ،اینگلز اور لینن نے مشرق میں سرمایہ داری کے عین مقابل اور بے جا آزادی کے برعکس ایک دوسرا نظام معیشت متعارف کروایا جسے اشتراکی (Socialism) نظام کہتے ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق تمام وسائل ثروت سوسائٹی کے درمیان مشترک ہیں' اس لیے افراد کو فرداً فرداً ان پر مالکانہ قبضہ کرنے اور اپنے حسب منشا ان میں تصرف کرنے اور ان کے منافع سے تنہا متمتع ہونے کا کوئی حق نہیں۔ اشخاص کو جو کچھ ملے گا وہ محض ان خدمات کا معاوضہ ہوگا جو سوسائٹی کے مشترک مفاد کے لیے وہ انجام دیں گے۔ سوسائٹی ان کے لیے ضروریات زندگی فراہم کرے گی اور وہ اس کے بدلہ میں کام کریں گے۔

سرمایہ دارانہ نظام ریاستی دخل اندازی اور حکومتی سرپرستی کا بالکل قائل نہیں جبکہ اشتراکی نظام معاشرہ پرستی اور اجتماعی ملکیت کا دلدادہ ہے، لہٰذا مکمل نظام ریاستی تحویل میں دینے اور فرد کی آزادی کو سلب کرنے کے درپے ہے۔ چنانچہ مادی ترقی، رحم دلی، انسان دوستی و ہمدردی کی روح ان دونوں نظاموں میں ہی مفقود رہی، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں نظام اقوامِ عالم کی قیادت اور معاشی ضروریات کو پورا کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں معاشی نظاموں کے برعکس اسلام ایک متوسط اور منصفانہ معاشی نظریہ پیش کرتا ہے، اور دو متضاد معاشی نظاموں کے درمیان ایک معتدل نظام قائم کرتا ہے جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ فرد کو اس کے پورے پورے شخصی و فطری حقوق بھی دیے جائیں اور اس کے ساتھ تقسیم ثروت کا توازن بھی نہ بگڑنے دیا جائے۔ ایک طرف وہ فرد کو شخصی ملکیت کا حق اور اپنے مال میں تصرف کرنے

کے اختیارات دیتا ہے۔ دوسری طرف وہ ان سب حقوق اور اختیارات پر ریاست وحکومت کے ذریعہ سے شرعی واخلاقی پابندیاں اور ایسی قانونی پابندیاں عائد کردیتا ہے جن کا مقصد یہ ہے کہ کسی جگہ وسائل ثروت کا غیر معمولی اجتماع نہ ہوسکے، اور ثروت کے وسائل ہمیشہ گردش کرتے رہیں تاکہ معاشرے کے ہر فرد ہر فرد کو اس کا متناسب حصہ مل سکے۔ یعنی اسلامی نظام معیشت کا مقصد یہ ہے کہ معاشی واقتصادی معاملات میں ریاست وحکومت کی سرپرستی ومداخلت از حد ضروری ہے تاکہ معاشی انصاف قائم ہوسکے لیکن اشتراکی نظام کے برعکس ذرائع معاش اور معاشی وسائل حکومتی تحویل میں دیکر فرد کے حقوق سلب کرنے کو بھی درست تصور نہیں کرتا۔

عصری معاشی واقتصادی مسائل کے تناظر میں جب دنیا جغرافیائی حدود بندیوں میں جکڑی جاچکی ہے ریاست کا اقتصادی معاملات میں عمل دخل سابقہ ادوار کی نسبت ناگزیر ہے۔ ریاست پر معاشرے کی اقتصادی ذمہ داریاں اس لیے بھی ضروری ہیں کہ معاشی استحکام، شرح نمو میں اضافہ، سرمایہ کی منصفانہ تقسیم، اقتصادی، معاشرتی عدل وانصاف اور طلب ورسد کا قانون ریاست کے کردار کے بغیر ناممکن ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ریاست اقتصادی سرگرمیوں کی نگرانی کرے جہاں ضرورت ہو وہاں جائز مداخلت بھی کرے مثلاً: حرام سے روکنا، واجب کا حکم دینا، مباح امور میں مصلحت راجحہ کو اختیار کرنا وغیرہ۔ ذیل میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اقتصادی امور میں ریاستی مداخلت سے متعلق احکامات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

اقتصادی سرگرمیوں میں ریاستی مداخلت کا جواز اور شرعی احکامات:

ریاست کا وجود انسان کی معاشرت پسندی کا فطری نتیجہ ہے۔ امن وامان، دفاع اور اجتماعی خوش حالی، ہر معاشرے کی بنیادی ضروریات ہیں اور یہ بنیادی ضروریات ایک اجتماعی نظام اپنائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں، چنانچہ ریاست اور اس کے ان لوازم کو ایک حقیقت تسلیم کرتے ہوئے، قرآن مجید نے اسلامی ریاست پر کچھ خاص ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں:

"الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ"[1]

"یہ اہل ایمان وہ لوگ ہیں کہ) اگر ہم ان کو اس سرزمین میں اقتدار بخشیں گے، تو نماز کا اہتمام کریں گے، زکوۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے"

اس ہدایت سے قرآن مجید یہ واضح کردیتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں حقوق وفرائض کے ادا کرنے میں 'امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کرو' کا اصول ملحوظ رکھا جائے گا اور نزاعات کو نمٹانے میں 'فیصلہ عدل کے ساتھ کرو' کے حکم کو بنیادی قدر کی حیثیت حاصل ہوگی۔ امت مسلمہ یہ ذمہ داری، بتمام وکمال، صرف ایک سیاسی نظام (ریاست ہائے متحدہ) میں بندھ جانے کے بعد ہی ادا کرسکتی ہے۔ گویا، ایک اسلامی ریاست نہ صرف اپنے داخل میں دین کو قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے، بلکہ اسے اپنے خارج میں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنا فرض سرانجام دینے کی پابند ہے۔ اسلامی ریاست کی حکومت، دراصل، قانون خداوندی کی پابند ہوتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جب اللہ اور رسول کیلئے حقِ اطاعت بیان کیا، تو یہ بھی واضح کردیا کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کیساتھ ساتھ اولی الامر کی اطاعت

[1] الحج، ۴۱۔

بھی از حد ضروری ہے تاکہ ریاست کے نظم و نسق میں رعایا معاصر قوانین پر عمل پیرا ہو۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ''[1]

''اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی، جو تم میں سے صاحبِ امر ہوں''

درج بالا قرآنی اصول وہ امتیازی خصوصیت ہے، جو ایک عام ریاست کو اسلامی ریاست بنا دیتی ہے، اور اس اصول کی رو سے یہ ضروری قرار پاتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں، معاملہ قانون کی تدوین کا ہو یا نظام کی تشکیل کا، قرآن و سنت سے کبھی انحراف نہ کیا جائے۔ ذیل میں قرآن مجید، احادیث اور اقوالِ صحابہ کرامؓ کی روشنی میں واضح کیا جاتا ہے کہ معاشی و اقتصادی امور میں ریاست کن حالات و واقعات کے پیش نظر مداخلت کا شرعی جواز رکھتی ہے۔

اقتصادیات میں ریاستی مداخلت پر قرآنی نظیر:

اسلامی نظام معیشت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست افرادِ معاشرہ کی کفالت وحضانت کی ذمہ دار ہے۔ لہٰذا نادار اور مفلس افراد کی کفالت کیلئے ریاست متمول اور صاحبِ ثروت افراد کو کفالت کیلئے مجبور کر سکتی ہے۔ قرآن مجید میں نادار اور فقراء افراد کی کفالت کا حکم ترغیبی نہیں بلکہ وجوبی و قانونی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اہلِ ثروت از خود حاجب مندوں کی ضروریات پورا نہ کریں تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ بذریعہ قانون واجب الادا حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے، ورنہ ریاست عملاً حق تلفی، زیادتی اور استحصال کی مرتکب ہو گی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ معلوم لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ''[2]

''اور اُن کے مالوں میں ایک خاص حق ہے سائلین اور محروم (افراد) کیلئے''

اغنیاء کے مال و دولت میں سائلین، فقراء اور حاجت مندوں کیلئے بھی خاص حق ہے۔ ایسی صورتحال میں کہ جب اغنیاء محتاج اور ضرورت مندوں تک اُن کا حق نہ پہنچائیں تو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ خصوصی اختیارات کے ذریعے ایسے لوگوں کی مدد کروائے۔ امام جصاصؒ سورۃ یوسف کی تفسیر کرتے ہوئے ریاست کے معاشی امور میں مداخلت کے لزوم سے متعلق رقم طراز ہیں:

''قص الله تعالىٰ لنا من قصة يوسف و حفظه للأطعمة في سنى الجدب وقسمته على الناس بقدر الحاجة دلالة على أن الائمة في كل عصر أن يفعلوا مثل ذالک اذا خافوا هلاک الناس من القحط''[3]

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں قحط کے دنوں میں غذائی اشیا کو محفوظ کرکے انسانوں میں بقدر ضرورت تقسیم کرنے کا واقعہ جو حضرت یوسفؑ سے متعلق سنایا ہے، یہ دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں (ریاستی) حکمرانوں پر لازم ہے کہ جب انہیں یہ اندیشہ ہو کہ لوگ قحط کے سبب بھوک سے مر جائیں تو وہ بھی ایسا ہی طریقہ اختیار کریں''

---

[1] النساء، ۵۹۔

[2] المعارج، ۱۹۔

[3] احمد بن علی الجصاص، **احکام القرآن** (بیروت: داراحیاالتراث، ۱۴۰۳ھ)، ۳:۱۷۶۔

معاشی اور اقتصادی امور میں عدل وانصاف کا حکم دیتے ہوئے حکمران اور امیر ریاست کے لیے ارشاد ہے:

"انَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا"[1]

"مسلمانوں! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کر دو اللہ تم کو عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے"

ابن جریر طبریؒ درج بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وأولى هذه الأقوال بالصواب في ذلك عندي، قولُ من قال: هو خطاب من الله ولاةَ أمور المسلمين بأداء الأمانة إلى من وَلُوا أمره في فيئهم وحقوقهم، وما ائتمنوا عليه من أمورهم، بالعدل بينهم في القضية، والقَسْم بينهم بالسوية"[2]

"اس سلسلہ میں سب سے بہتر اور اقرب الی الصواب قول میرے نزدیک وہ قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خطاب مسلمانوں کے حکمرانوں کیلئے ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں تک ان کے حقوق پہنچائیں جن جن معاملات میں وہ اُن کے ذمہ دار ہیں اور انصاف کے ساتھ امانتیں ادا کریں، عدل پر مبنی فیصلے کریں اور انصاف کے ساتھ برابری پر تقسیم کریں"

یہ آیت مسلمان حکمرانوں کے بارے میں نازل ہوئی ان پر لازم ہے کہ امانتوں کو حق داروں تک پہنچائیں، اور جب لوگوں میں فیصلہ کریں تو حق و عدل کا فیصلہ کریں۔ لہٰذا ریاست اقتصادی حقوق کی ادائیگی میں انصاف اور رعایا کے حقوق میں کسی بھی قسم کی جائز مداخلت کی شرعاً پابند ہے۔

اقتصادی معاملات میں ریاستی مداخلت پر سنت نبویہ ﷺ سے نظیر:

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کی فلاحی ریاست میں معاشی انصاف کا خصوصی اہتمام کیا تاکہ امیر و غریب، طاقتور اور کمزور سب کیلئے یکساں انصاف ہو۔ چنانچہ مدنی میں جب معاشی آزادی کو آڑ بناتے ہوئے ایک شخص نے حقوق العباد کو پامال کیا تو بطورِ حاکم رسول اللہ ﷺ نے اس معاشی مسئلہ میں مداخلت فرما کر مذکورہ مسئلہ کا حل پیش کیا، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"کسی انصاری صحابی کے باغ میں ان کا ایک کھجور کا درخت تھا اس انصاری کے اہل وعیال بھی اس کے ساتھ تھے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ اپنے اس درخت کے پاس جاتے تو انصاری صحابی کو ان کے آنے سے اذیت اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا انہوں نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے پیشکش کی کہ وہ انھیں بیچ دیں تو حضرت سمرہ نے انکار کر دیا تو وہ انصاری صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرہ بیان کیا آپ ﷺ نے حضرت سمرہ سے کہا کہ درخت اسے بیچ دو تو انہوں نے انکار کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے یہ ہبہ کر دیں، ہبہ کرنے پر آپ کو اتنا اجر ملے گا اس سے

---

[1] النساء، ۵۸۔

[2] محمد بن جریر الطبری، **جامع البیان** (بیروت: موسسۃ الرسالہ، ۱۴۲۰ھ)، ۸: ۴۹۲۔

بھی سمرہؓ نے انکار کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا: 'انت مضار' تو دوسرں کو تکلیف دینے والا ہے، اس کے بعد آپ نے انصاری سے فرمایا کہ جائیں اور اسکا درخت اکھیڑ کر اسے دے دیں"[1]

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بطور سربراہ ریاست اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے اقتصادی معاملہ میں مداخلت فرمائی۔ یہ واقعہ ریاست کے اقتصادیات کو منظّم کرنے کے لئے مداخلت کی ایک صورت ہے جس سے مباح امور میں آزادی کی تحدید ثابت ہوتی ہے۔

عہد صدیقی سے ریاستی مداخلت کی نظیر:

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں ایسے افراد کے خلاف جہاد کا اعلان کیا جو زکوۃ دینے سے انکاری ہوئے۔ چنانچہ مانعین زکوۃ کے خلاف جنگ کے اعلان سے متعلق حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں:

"ابو بکر صدیق کے دور میں عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے تھے انہوں نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! رسول اللہ کے زمانے میں جو لوگ اونٹ کے رسی بھی زکوۃ میں دیتے تھے اگر اس کو بھی لوگوں نے روکا تو میں ان سے قتال کروں گا"[2]

ابن العربیؒ درج بالا روایت کی وضاحت میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ رعایا کے لوگ اپنے فرائض ادا نہ کریں تو امام ان سے قتال کر سکتا ہے۔[3]

عہد فاروقی سے ریاستی مداخلت کی نظیر:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب مدینہ میں غذائی قحط پیدا ہوا، چنانچہ آپؓ نے اس قحط کے زمانہ میں بطورِ خلیفہ مثالی اقدامات کرتے ہوئے لوگوں کی معاشی ضروریات کو پورا کیا۔ قحط کے رفع ہونے پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"لو استقبلت من امری ما استدبرت لأخذت فضول أموال الأغنیا فقسمتها علیٰ فقراء المهاجرین"[4]

"جس بات کا مجھے اب اندازہ ہوا ہے اگر پہلے ہو جاتا تو میں اس میں کبھی تاخیر نہ کرتا اور بلا شبہ صاحبِ ثروت کی فاضل دولت لے کر فقرا مہاجرین میں بانٹ دیتا"

حضرت عمرؓ نے بطورِ خلیفہ خصوصی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے ہنگامی صورتحال کا مقابلہ کیا اور معاشی و اقتصادی لحاظ سے متمول افراد کے مال و دولت کو خرچ کرنے حکم بھی صادر کیا، جس سے معلوم ہوا ایسی ہنگامی اور وبائی صورتحال میں ریاست معاشی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے معاشرے کے مالداروں کو مال و دولت کے خرچ کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔

---

[1] ابو داؤد سلیمان بن الاشعث، **السنن** (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۳۶۳۶۔

[2] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح** (الریاض: دار السلام، ۱۹۹۹ء)، حدیث: ۱۲۴۳۔

[3] ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی، **عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح ترمذی** (بیروت: مدار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۸ء)، ۱۰: ۷۳۔

[4] علی بن احمد بن حزم، **المحلیٰ بالآثار** (بیروت: موسسۃ الرسالہ، ۱۳۹۷ھ)، ۶: ۱۵۸۔

عہد عثمانی سے ریاستی مداخلت کی نظیر:

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں بعض صحابہ کو بنجر زمینیں آبادکاری کے لیے دیں تاکہ وہ ان میں زراعت کریں اور بیت المال کے ان زمینوں پر لاگو ہونے والے حقوق ادا کریں۔[1] یعنی وہ بنجر زمینیں جن کا کوئی مالک نہ ہو ریاست کی ذمہ داری ہے کہ انکی نگرانی کرے اور جسے اہل سمجھے انہیں زمین کاشت کیلئے دے۔ یہ واقعہ دلیل ہے کہ ریاست اقتصادی و معاشی معاملات میں مداخلت کرتے ہوئے ایسا قطعہ ارضی کسی کو عطا کر سکتی ہے جو بنجر یا کسی کے استعمال میں نہ ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور سے ریاستی مداخلت کی نظیر:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں بطور امیرِ ریاست جو معاشی پالیسی وضع کی، اُس کا خلاصہ کچھ یوں تھا:

"ألا أن أكون عليكم ألا وإنه ليس لي أمر دونكم إلا أن مفاتيح مالكم معي ألا وأنه ليس لي أن آخذ منه درهما دونكم رضيتم"[2]

"لوگو! میں صرف ایک شرط پر تمہارا خلیفہ بنوں گا، کہ تمہارے خزانوں کی چابیاں اگرچہ میرے پاس ہوں گی لیکن میں تمہاری مرضی کے بغیر ایک درھم بھی نہ لوں گا"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بازار کی نگرانی کی طرف خصوصی توجہ کی آپ کے بارے میں مروی ہے:

"آپ رضی اللہ عنہ بازار میں آتے اور ایک جگہ کھڑے ہو جاتے اور فرماتے: "السلام علیکم! اے بازار والو قسم کھانے سے اللہ سے ڈرو کیونکہ قسم کھانے سے سودا تو چلتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے تاجر فاجر ہے سوائے اسکے جو حق سے لے اور حق سے دے"[3]

درج بالا تصریحات سے واضح ہے کہ خلفائے راشدین کے ہاں حکومتی ذمہ داری میں رعایا کے معاشی و اقتصادی حقوق کی ادائیگی بنیادی ترجیحات میں شامل تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر خلفاءؓ اسلامی ریاست کے تمام باشندگان کے معاشی حقوق کیلئے شبانہ روز محنتِ شاقہ سے کام لیتے اور معاشی و اقتصادی فلاح کیلئے ریاستی سطح پر غیر معمولی اقدامات کرتے تھے جس اقتصادی امور میں جائز ریاستی مدخلت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

ریاستی مداخلت سے متعلق فقہاء کرام کے اقوال:

معاشی و اقتصادی معاملات میں ریاست کی مداخلت سے متعلق فقہائے کرام و مجتہدین نے اپنی کتب میں مختلف ازمنہ کیلئے مختلف فتاویٰ نقل کیے ہیں۔ بالعموم فقہائے کرام اقتصادی امور میں بے جا ریاستی مداخلت کے قائل نہیں لیکن افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریات کے

---

[1] ابوعبید قاسم بن سلام، **کتاب الاموال** (القاھرۃ: مکتبۃ الکلیات الازھریۃ، س ن)، ۲۵۷۔

[2] محمد بن جریر الطبری، **تاریخ الامم والملوک** (بیروت: دار التراث، ۱۳۸۷ھ)، ۲: ۶۹۷۔

[3] محمد بن جریر الطبری، **تھذیب الآثار** (دمشق: دار المأمون للتراث، ۱۹۹۵ء)، ۴: ۲۱۶۔

حصول، ہنگامی صورتحال میں معاشی اقدامات، اجتماعی معاشی مقاصد کے حصول، ناجائز ذرائع معاش اور ذخیرہ اندوزی و گراں فروشی کے سدباب میں فقہائے کرام ریاست کیلئے خصوصی اختیارات اور مداخلت کو جائز و مباح بلکہ کچھ مواقع پر واجب قرار دیتے ہیں۔ علامہ الماوردیؒ کا اس ضمن میں نقطہ نظر ہے کہ اگر والی کسی آدمی کو صدقہ مانگتے ہوئے دیکھے اسے علم ہو کہ وہ غنی ہے یا کمانے کی طاقت رکھتا ہے تو وہ اس کے خلاف تادیبی کاروائی کرے۔[1] اسی طرح وہ معاشی و اقتصادی معاملات میں معاشی انصاف کے قیام سے متعلق خلیفہ کے اختیارات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر امام اقتصادی امور میں لوگوں کو دھوکہ، جعل سازی اور نرخوں میں غلط بیانی کا ارتکاب کرتا ہوا دیکھے تو ان کی گرفت کرے ان کو روکے اور حسب ضرورت و حال انہیں سزا دے۔[2] جبکہ ابو عبید قاسم بن سلامؒ کی رائے ہے کہ وہ چیزیں جو تمام مسلمانوں میں مشترک اور مباح عام ہیں ان میں کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ ان پر قبضہ کرے یا ان کو آباد کرکے ان کا مالک بن بیٹھے اور حکمرانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ ان تمام چیزوں میں حمی (اجارہ داری) قائم نہ کرنے دیں۔[3] متاخرین میں سے مولانا مودودیؒ ریاستی مداخلت کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

> ''اسلام میں صرف وہ کسب جائز ہے جو کسی حرام طریقے سے نہ ہو۔ سرقہ، ناپ تول میں کمی، خیانت، غبن، احتکار، سود، قحبہ گری اور جوا کے ذریعے کسب حرام ہے لہٰذا اسلامی حکومت بازار کی نگران ہے اور ان تمام امور میں مداخلت اور ان کو روکنے کی پابند ہے''[4]

مسلم فقہاء و مسلم معاشی مفکرین کے اقوال و نظریات کے مطالعہ سے واضح ہے کہ فقہائے کرام بھی اقتصادی امور میں ریاستی مداخلت کے قائل ہیں، چونکہ ریاست تمام امور کی نگران ہے لہٰذا یہ ذمہ داری بھی ریاست پر عائد ہوتی ہے کہ متعلقہ تمام معاشی و اقتصادی امور کی نگرانی کرے اور خلاف ورزی کی صورت میں مداخلت کرتے ہوئے مناسب اقدامات کرے۔

ریاست کے اقتصادی مداخلت کے شعبہ جات:

مسلم معاشی ماہرین نے قرآن و سنت، اقوال صحابہ کرامؓ اور فقہائے کرامؒ کے فتاویٰ واجتہادات کی روشنی میں ریاست کیلئے اقتصادی معاملات کے جن شعبہ جات میں مداخلت کی نشاندہی کی ہے، ریاست کی ذمہ داری ہے کہ قومی معاشی شعبوں کا مکمل جامع شکل میں قیام عمل میں لائے۔ اسلامی تعلیمات اور مسلم معاشی مفکرین کے افکار کی روشنی میں مذکورہ تمام حقوق کی ادائیگی اور فراہمی کیلئے ریاست کسی بھی قسم کے طاقت کے استعمال اور جبر و اکراہ سے کام لے سکتی ہے۔ ذیل میں اہم شعبہ جات سے متعلق ریاستی مداخلت کا شرعی حکم ذکر کیا جاتا ہے:

---

[1] علی بن محمد حبیب الماوردی، **الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیہ** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۳۰۵ھ)، ۳۰۹۔

[2] ایضاً، ۳۱۵۔

[3] ربیع الرولی، **الملکیۃ العامۃ فی صدر الاسلام ووظیفتھا الاقتصادیۃ والاجتماعیۃ** (جدۃ: مرکز ابحاث الاسلامی، ۲۰۰۵ء)، ۲۷۱۔

[4] سید ابوالاعلیٰ مودودی، **اسلامی ریاست** (لاہور: اسلامی پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء)، ۴۳۲۔

ا۔ کفالتِ عامہ کا نظام اور ریاستی مداخلت:

اسلام کا اقتصادی نظام انسانوں کا وضع کردہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا نظام ہے جو انسانوں کی ضرورت و مصلحت سے بخوبی واقف ہے اس لیے اس میں کسی انسانی خواہش یا گروہی اغراض کا دخل نہیں بلکہ یہ نظام پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن ہے اسلامی نظام معیشت افراد و جماعت دونوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کرتا ہے۔ جیسا کہ ﷺ نے فرمایا :

"السلطان ولی من لا ولی له"[1]

"حکومت (ریاست) اس شخص کی نگہبان ہے جس کا کوئی نگہبان نہیں"

چونکہ ریاست پر معاشرے کے تحفظ کی عمومی ذمہ داری ہوتی ہے اس لیے ریاست پر لازم ہوتا ہے کہ وہ رعایا کے محتاج، فقراء اور عاجز لوگوں کی کفالت کرے۔ علامہ ابن تیمیہؒ ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنے سے متعلق ریاست کی ذمہ داری کے بارے رائے ہے کہ جب ضرورت مندوں کو زکوٰۃ کافی نہ ہو تو ان کو بہت المال میں سے دیا جائے گا اور دیگر مصارف پر ان کو مقدم رکھا جائے گا۔[2] رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کی ریاست قائم کی تو سب سے پہلا معاہدہ مواخات مدینہ کی صورت میں کیا جو معاشی کفالت اور ریاستی کفالت کا بہترین مظہر ہے۔ عہدِ نبوی ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اس نبوی سنت کو جاری رکھتے ہوئے اس اَمر کا خصوصی اہتمام کیا کہ ضرورتمندوں کی ضروریات صاحبِ ثروت و متمول افرادِ معاشرہ سے کروائی جائیں، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ قحط کے اختتام پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"فوالله لو أن الله لم يفرجها ما تركت أهل بيت من المسلمين له سعة إلا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء"[3]

"خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجوں کو اس میں حکماً داخل کر دیتا"

مقروض افراد کی مدد میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ریاستی مداخلت کی تحدید کو واضح کرتا ہے:

"فأيما مومن ترک مالاً فليرثه عصبة من كانوا فإن ترک ديناً أو ضياعاً فلياتني فأنا مولاه"[4]

"جو مومن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ ہونگے وہ جو کوئی بھی ہوں گے۔ اگر وہ اپنے ذمہ قرض یا بچے جن کے پاس کچھ نہ ہو، چھوڑ کر مرا تو وہ یتیم بچے اور قرض میرے ذمہ ہوگا میں ہی اُن کا ولی ہوں گا۔"

ابنِ حزمؒ کفالتِ عامہ کیلئے ریاستی مداخلت سے متعلق لکھتے ہیں:

---

[1] عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ، **المصنف** (حیدر آباد دکن: دار السلفیہ، س ن)، ۱۴: ۱۶۸۔

[2] احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ، **السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والراعیۃ** (دمشق: نشر دار البیان، ۱۴۰۵ھ)، ۵۹۔

[3] محمد بن اسماعیل البخاری، **الادب المفرد** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۳ھ)، ۵۶۲۔

[4] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۴۵۰۳۔

''فرض علیٰ الأغنیاء من أهل کل بلد أن یقومو بفقرائهم و یجبرهم السلطان علیٰ ذالک إن لم تقم الزکوة بهم ولا فی سائر أموال المسلمین بهم فیقام لهم بما یأکلون من القوت الذی لا بد منه''[1]

''ہر ایک بستی کے اہلِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقرا اور غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں گے اور اگر اُن کی زکواۃ اور بیت المال کی آمدنی سے اُن غربا کی معاشی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو سلطان (ریاست وحکومت) اُن اربابِ دولت کو ایسے افراد کی ضروری معاشی ضروریات کی کفالت کیلئے مجبور کر سکتا ہے''

ریاست معاشرے کے نادار اور مفلس افراد کی کفالت اور معاشی ضروریات کیلئے متمول واغنیاء کو کفالت پر مجبور کر سکتی ہے بصورت دیگر ایسے افراد کے خلاف تادیبی کاروائی بھی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

۲۔زائد از ضرورت مال کی تقسیم اور ریاستی مداخلت:

اسلامی نظام معیشت میں افرادِ معاشرہ کیلئے مساوی معاشی حقوق کا خصوصی اہتمام موجود ہے۔ ریاست شرعی طور پر ایسے اقدامات کرنے کی پابند ہے کہ ضرورت مند افراد کی معاشی ضروریات متمول افراد کے زائد از ضرورت مال سے کروائے۔اس سلسلہ میں ریاستی مداخلت کی تائید نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے:

'' مَنْ كَانَ مَعَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا ظَهْرَ لَهُ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَضْلٌ مِنْ زَادٍ فَلْيَعُدْ بِهِ عَلَى مَنْ لَا زَادَ لَهُ قَالَ فَذَكَرَ مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ مَا ذَكَرَ حَتَّى رَأَيْنَا أَنَّهُ لَا حَقَّ لِأَحَدٍ مِنَّا فِي فَضْلٍ''[2]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کے پاس فالتو سواری ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس سواری نہیں ہے اور جس کے پاس ضرورت سے زائد زاد راہ ہے وہ اسے لوٹا دے جس کے پاس زاد رہ نہیں ہے۔ راوی ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی ایک ایک قسم کا ایسے ہی جدا جدا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ ہم میں سے کسی کا بھی اپنے زائد مال میں کوئی حق نہیں ہے''

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت بلال بن حارث المزنی رضی اللہ عنہ سے غیر مزروعہ زمین واپس لے لی تھی جو انہیں رسول اللہ ﷺ نے عطا کی تھی۔ حالانکہ وہ اُس پر رضامند بھی نہ تھے۔اس موقع پر حضرت عمرؓ کا حضرت بلالؓ کو یہ ارشاد ملاحظہ ہو؛

''أن رسول الله ﷺ لم یقطعک لتحجزه عن الناس إنما أقطعک لتعمل، فخذ منها ما قدرت علیٰ عمارته ورد الباقی''[3]

''یقین جانو کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں یہ علاقہ اس لیے نہیں بخشا تھا کہ تم اسے لوگوں سے روک کر بیٹھ جاؤ۔آپ ﷺ نے یہ علاقہ تمہیں اس لیے دیا تھا کہ تم اِسے آباد کرو۔لہٰذا جس حصے کی تم آبادی کر سکتے ہو رکھ لو باقی واپس کر دو''

---

[1] ابن حزم، **المحلیٰ بالآثار**، ۶:۱۵۶۔

[2] مسلم بن الحجاج القشیری، **الصحیح** (الریاض: دار السلام، ۲۰۰۰ء)، حدیث: ۱۷۲۸۔

[3] ابو عبید، **کتاب الاموال**، ۳۶۸۔

ریاست اسلامی تعلیمات کے تناظر میں بااختیار ہے کہ وہ زائد از ضرورت جائیداد اور زرعی و غیر زرعی زمینیں ایسے افراد میں تقسیم کر دے جو محروم اور ضرورت مند ہیں۔مزید برآں ریاست کسی بھی دورِ حکومت میں عطا کردہ قطعہ ارضی یا جائیداد کو کالعدم کرنے کا شرعی حق رکھتی ہے۔

۳۔ہنگامی حالات اور ملکی دفاع کے اخراجات کیلئے ریاستی مداخلت:

ریاست رعایا کے مال و دولت اور جان کی حفاظت کی ذمہ دار ہے، چنانچہ ہنگامی صورتحال میں ریاست کے پاس اگر فوج کی تیاری، دفاع کے وسائل اور عوام الناس پر خرچ کرنے کیلئے خزانے میں پیسے نہ ہوں تو ریاست کیلئے یہ جائز ہے کہ مالدار لوگوں کا مال قبضے میں لے کر اُسے ضروری مطلوبہ اخراجات پر خرچ کر سکتی ہے۔اِس سلسلہ میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

"إذا خلت الأيدى من الأموال ولم يكن من مال المصالح ما يفى بخراجات العسكر۔۔۔۔۔فيجوز للامام أن يوظف على الأغنياء مقدار كفاية الجند"[1]

"جب فوج کے ہاتھ مال سے خالی ہو جائیں اور ملکی خزانے میں اتنا مال نہ ہو جس سے فوج کے اخراجات برداشت کیے جائیں۔۔۔۔تو حاکم (ریاست) کیلئے جائز ہے کہ وہ اغنیا پر لازم قرار دے کہ وہ فوج کی ضرورت کے بقدر اپنا مال خزانے میں دے دیں تو جائز ہے"۔

امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

"وخلا بيت المال وارتفعت حاجات الجند الى ملا يكفيهم فللإمام إذا كان عدلاً أن يوظف على الاغنياء ما يراه كافياً لهم في الحال إلى أن يظهر مال بيت المال"[2]

"جب بیت المال خالی ہو جائے اور فوج کے اخراجات بڑھ جائیں تو ایسے حالات میں حاکم کیلئے ضروری ہے کہ وہ اغنیا پر لازم کرے کہ وہ اپنے مال فوج کے اخراجات کیلئے خرچ کرتے رہیں جب تک بیت المال میں کہیں سے خزانہ نہیں آجاتا"۔

اسی طرح کی روایات کو ذکر کرتے ہوئے ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

"فرض علىٰ الأغنياء من أهل كل بلد أن يقومو بفقرائهم ويجبرهم السلطان علىٰ ذالک أن لم تقم الزكوة بهم ولا فى سائر أموال المسلمين بهم فيقام لهم بما يأكلون من القوت الذى لا بد منه"[3]

"ہر ایک بستی کے اہلِ دولت کا فرض ہے کہ وہ فقرا اور غربا کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں گے اور اگر اُن کی زکواۃ اور بیت المال کی آمدنی سے اُن غربا کی معاشی ضروریات پوری نہیں ہوتیں تو سلطان (ریاست و حکومت) اُن اربابِ دولت کو ایسے افراد کی ضروری معاشی ضروریات کی کفالت کیلئے مجبور کر سکتا ہے"

---

[1] محمد بن محمد الغزالی، **المستصفیٰ من علم الاصول** (قم: منشورات الشریف، ۱۳۲۴ھ)، ۱: ۳۰۳۔

[2] ابراہیم بن موسیٰ الشاطبیؒ، **الاعتصام** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۲ھ)، ۲: ۱۲۱۔

[3] ابن حزم، **المحلیٰ**، ۶: ۱۵۶۔

درج بالا تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست ہنگامی اور جنگی حالات میں مالدار اور صاحبِ ثروت افراد سے ریاست کی مالی امداد کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ بعض فقہا کرام کے اجتہادات کے مطابق ایسی صورت میں ریاست تصدق اجباری (صدقہ کیلئے مجبور کرنا) پر بھی عملدرآمد کروانے کی شرعاً مجاز ہے۔ عصری تناظر میں کرونا جیسی مہلک وبا سے جس قدر معاشی و اقتصادی بحران پیدا ہوا ہے، یقیناً ریاست تنِ تنہا اس قابل نہیں کہ معاشی خسارہ برداشت کر سکے، اِن حالات کے پیش نظر ریاست وحکومت کی ذمہ داری ہے کہ وطنِ عزیز کے نامور تجار، زمیندار اور مالدار افراد کو اِنفاق کی ترغیب دے، بلکہ ضرورت مندوں کیلئے ضروری سامانِ خورد ونوش کی فراہمی کیلئے پابند کرے تاکہ معاشی بحران اور غذائی قلّت پر قابو پایا جائے۔

۴۔ وراثت کے حق کی ادائیگی اور ریاستی مداخلت:

وراثت کا حق انسانی حقوق میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ مدینہ کی فلاحی ریاست میں جہاں انفرادی اور اجتماعی حقوق کی باآسانی میسر تھے وہیں وراثت جیسے بنیادی حق کی ادائیگی بھی ریاست کے ذمہ تھی۔ وراثت کی ذمہ داری سے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> ”میرا ہر مومن کے ساتھ دنیا آخرت میں سب سے زیادہ تعلق ہے اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو کہ: نبی کا مومنین کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ تعلق ہے۔ پس جو بھی مومن مال چھوڑے گا تو اسکے عصبہ اسکے وارث ہونگے جو بھی ہوں اور اگر قرض یا قابل نگہداشت چیز چھوڑے گا تو میرے پاس آئے میں اس کا مولیٰ ہوں“[1]

اسی مفہوم کی دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے وراثت کی تقسیم سے متعلق فرمایا:

> **”فأيما مومن ترک مالاً فليرثه عصبة من كانوا فإن ترک ديناً أو ضياعاً فليأتني فأنا مولاه“**[2]
>
> ”جو مومن بھی مال چھوڑ کر مرے گا اس کے وارث اس کے عصبہ ہونگے وہ جو کوئی بھی ہوں گے۔ اگر وہ اپنے ذمہ قرض یا شئے جن کے پاس کچھ نہ ہو، چھوڑ کر مرا تو وہ یتیم بچے اور قرض میرے ذمہ ہوگا میں ہی اُن کا ولی ہوں گا۔“

درج بالا احادیث واضح دلیل ہیں کہ وراثت کی بروقت اور مبنی بر انصاف تقسیم ریاست کی بنیادی ذمہ داری میں شامل ہے۔ اگر ریاست کے کسی فرد کو اس سلسلہ میں انصاف مطلوب ہو تو ریاست ورثاء کو جبراً انصاف کیلئے مجبور کر سکتی ہے۔ وطنِ عزیز پاکستان میں وراثتی انصاف کے سلسلہ میں گذشتہ برس عورتوں کے وراثت کیلئے ریاستی مداخلت اور قانون سازی کا عمل مستحسن قدم ہے۔

۵۔ قومی ذرائع کی نجکاری میں ریاستی مداخلت:

نجکاری مغربی نظام معیشت خصوصا سرمایہ دارانہ نظام میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے، لیکن اسلامی اقتصادی نظام میں اس کو محدود کیا گیا ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام میں سرکاری اور عوامی ذرائع و اداروں کی نجکاری نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عبّاس سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] البخاری، **الجامع الصحیح**، حدیث: ۱۴۲۔

[2] ایضاً، حدیث: ۴۵۰۳۔

"الناس شركاء في ثلاث في الماء والكلأ والنار"[1]

"سارے مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں، پانی، چراگاہ اور آگ"

اس حدیث کے روشنی میں دریاؤں کے پانی، ڈیموں، نہروں، چراگاہوں اور جنگلات کی نجکاری منع ہے۔ تیل، گیس، سلفر اور کوئلے وغیرہ کے ذخیروں اور کانوں کی نجکاری بھی نہیں کی جاسکتیں اور نا ہی بجلی کی پیداواری ذرائع کی نجکاری کی جاسکتی ہیں۔ صحابی رسول ابیض بن حملؓ کی روایت کے مطابق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے ان سے نمک کا کان واپس لے لیا، جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں کی مشترکہ استعمال میں تھی، وہ فرماتے ہیں:

"أنه وفد إلى النبي فاستقطعه الملح الذي بمأرب فقطعه فلما أن ولى قال رجل من المجلس: أتدري ما قطعت له؟ إنما قطعت له الماء العد. قال: فانتزع منه"[2]

"وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ وہ انہیں 'مارب' میں موجود نمک کی کانیں عنایت فرمادیں۔ تو آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ چلے گئے تو مجلس میں موجود ایک آدمی نے کہا: 'کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے انہیں کیا دیا ہے؟ آپ نے انہیں نا ختم ہونے والا ذخیرہ دیا ہے'۔ تو آپ ﷺ نے ان سے وہ واپس لے لیا"

درج بالا احادیث سے واضح ہے کہ ریاست ایسے اقتصادی معاملات میں خصوصاً مداخلت کر سکتی ہے، جب ایسے اداروں اور ذرائع کی نجکاری مطلوب ہو جس سے بنیادی انسانی حقوق متاثر ہوں یا وہ ذرائع مشترکہ قومی ملکیت ہوں۔ فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگر کسی خلیفہ، حکمران یا امیرِ ریاست نے ایسے معاہدات کیے ہوں تو اجتماعی مفاد کے تحت ایسے معاہدات کالعدم ہوں گے۔ لہٰذا نجکاری کے سلسلہ میں ریاستی مداخلت شرعی اعتبار سے مستحسن بلکہ واجب ہے۔

۶۔ ذخیرہ اندوزی کا انسداد اور ریاستی مداخلت:

اسلامی ریاست کی اولین ذمہ داریوں میں معاشی انصاف کا قیام ہے۔ معاشی انصاف کیلئے ضروری ہے کہ ریاست ایسے اقدامات اور قانون سازی کرے جس سے معاشرے میں گردشِ دولت اور آزاد تجارت فروغ پائے۔ چنانچہ اگر اسلامی تصورِ معیشت کے برعکس، ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی، ملاوٹ اور غبن جیسے رذائل موجود ہوں تو ایسے ناسور کے خاتمہ کیلئے ریاستی مداخلت ضروری ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں ایسے متعدد اقدامات کیے جس سے ذخیرہ اندوزی اور اشیاء کی مصنوعی قلّت کا خاتمہ کیا گیا، جیسا کہ سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سال لوگ مالی تنگی میں تھے تو قربانی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من ضحىٰ منكم فلا يصبحن بعد ثالثةٍ و فى بيته منه شيئ"[3]

---

[1] محمد بن علی الشوکانی، **نیل الاوطار** (مصر: دار الحدیث، ۱۹۹۳ء)، ۵: ۱۷۳۔

[2] احمد بن محمد الخطابی، **معالم السنن** (حلب: المطبعۃ العلمیہ، ۱۹۳۲ء)، ۳: ۴۳۔

[3] مسلم، **الصحیح**، حدیث: ۱۹۷۴۔

"تم میں سے کوئی شخص تیسری رات کے بعد اِس حالت میں نہ اٹھے کہ اُس کے پاس ایک بوٹی بھی باقی ہو"

(چنانچہ صحابہ کرامؓ نے ایسا ہی کیا اور سارا گوشت تقسیم کر دیا۔ اگلے سال بھی صحابہ کرامؓ نے ایسا ہی کیا اور اپنے لیے کچھ بچا کر نہیں رکھا۔ اور آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

"یا رسول الله ﷺ نفعل کما فعلنا العام الماضی قال کلوا واطعموا وادخروا فان ذالک العام کان بالناس جهد فأردت أن تعینوا"[1]

"اللہ کے نبی! ہم نے اس سال بھی ویسا ہی کیا ہے جیسا کہ گذشتہ سال کیا تھا (یعنی سب کچھ تقسیم کر دیا)۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب تم کھا بھی سکتے ہو اور کھلا بھی، اور ذخیرہ بھی۔ وہ حکم تو اُس سال کیلئے تھا جب معاشی تنگی تھا میں نے سوچا تم ایک دوسرے کی مدد کرو"

ذخیرہ اندوزی اور مصنوعی قلّت کرنے والوں کیساتھ ریاست جبر اور اکراہ کا معاملہ بھی کر سکتی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ غذائی قحط ہوا، قحط کے اختتام پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"فوالله لو أن الله لم یفرجها ما ترکت أهل بیت من المسلمین لهم سعة ألا أدخلت معهم أعدادهم من الفقراء"[2]

"خدا کی قسم! اگر قحط رفع نہ ہوتا تو میں کوئی بھی ایسا گھر نہ چھوڑتا جس میں کھانا موجود ہوتا، مگر اس کے افراد کے برابر دیگر مستحقین اور محتاجوں کو اس میں حکماً داخل کر دیتا"۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ حرام ذرائع معاش کے سد باب میں ریاستی مداخلت کے متعلق رقم طراز ہیں:

"اسلام میں صرف وہ کسب جائز ہے جو کسی حرام طریقے سے نہ ہو۔ سرقہ، ناپ تول میں کمی، خیانت، غبن، احتکار، سود، قحبہ گری اور جوا کے ذریعے کسب حرام ہے لہٰذا اسلامی حکومت بازار کی نگران ہے اور ان تمام امور میں مداخلت اور ان کو روکنے کی پابند ہے"[3]

درج بالا احادیث، آثار اور فقہائے کرام کی تصریحات سے واضح ہے کہ ریاست کی ذمہ داری ہے وہ ایسے اقدامات کرے جس سے ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، دھوکہ دہی کا سد باب ممکن ہو، شرعی اعتبار سے ایسی قانون سازی اور ہنگامی اقدامات معاشی و اقتصادی معاملات میں جائز مداخلت کے زمرہ میں شامل ہیں۔

۷۔ نظامِ زکواۃ وصدقات کا قیام اور ریاستی مداخلت:

نظام زکوٰۃ اسلامی نظام معیشت کا ایک حصہ ہے اور اس نظام معیشت کی بنیاد اقتصاد پر ہے۔ اسلام نے نظام صلوٰۃ کو نظام زکوٰۃ سے مقدم رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ نے جب اہل ایمان کی حکومت کا ذکر کیا وہیں نظام اقتصاد و معاش کا ذکر اس انداز میں کیا:

---

[1] مسلم، **الصحیح**، حدیث: ۱۹۷۴۔

[2] البخاری، **الادب المفرد**، حدیث: ۵۶۲۔

[3] مودودی، **اسلامی ریاست**، ۴۳۲۔

"الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ"[1]

"یہ اہل ایمان وہ لوگ ہیں کہ) اگر ہم ان کو اس سرزمین میں اقتدار بخشیں گے، تو نماز کا اہتمام کریں گے، زکوۃ ادا کریں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے"

اس ہدایت سے قرآن مجید یہ واضح کر دیتا ہے کہ ایک اسلامی ریاست میں حکمران کی یہ ذمہ داری ہے کہ مال دولت کو امراء سے اکٹھا کرے مستحقین تک پہنچائے اور اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کی رو سے ریاست خصوصی اختیارات کی حامل ہے۔ چنانچہ زکواۃ کی ادائیگی صاحبِ نصاب ہر شخص پر واجب ہے اور اگر وہ ادا نہیں کرتا تو ریاست جبراً وصول کر سکتی ہے۔ بعض فقہا کرام کی رائے یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کا تعاقب ریاست کے ذمہ ہے اور ریاست کو حق ہے کہ زکوۃ کے ساتھ اُس کے مال سے کچھ زائد حصہ بھی وصول کرے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے زکواۃ کی وصولی سے متعلق فرمایا:

"من أعطاها موتجراً فله أجرها ومن كتمها فأنا آخذوها"[2]

"جو شخص نے اجر حاصل کرنے کیلئے زکواۃ ادا کی اُسے اجر ملے گا اور جو اِسے چھپائے گا ہم اُس سے لیں گے"

درج بالا قرآنی آیات اور احادیث سے واضح ہے کہ نظامِ زکواۃ کا نفاذ ریاستی ذمہ داری ہے جس کا قیام ریاستی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اگر مالدار اور صاحبِ مال نصاب تک پہنچنے کے باوجود بھی زکواۃ ادا نہ کریں تو ریاست اس سلسلہ میں خصوصی اختیارات کے تحت ایسے افراد کے خلاف نہ صرف کاروائی عمل میں لا سکتی ہے بلکہ جبراً زکواۃ وصول کرنے کیساتھ ساتھ اضافی مال بھی مطالبہ کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عہد حکومت میں زکواۃ نہ دینے والوں کیخلاف جنگ کا اعلان کیا تھا۔

۸۔ سرکاری اخراجات و تصرفات میں ریاستی مداخلت:

اسلامی تعلیمات کی رو سے حکمران، امیر اور خلیفہ کی حیثیت ایک نگہبان اور ذمہ دار کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عہدہ، اختیارات اور حکومتی ذمہ داری اعزازی یا موروثی نہیں بلکہ جوابدہی اور احساسِ ذمہ داری کے جذبہ کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی امانت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست میں کوئی حکومتی فرد یا حکمران قومی خزانہ و بیت المال کو اپنی مرضی سے خرچ نہیں کر سکتا۔ حکومتی عہدوں پر فائز لوگ تنخواہ کے علاوہ تحائف اور دیگر مراعات لینے کے بھی مجاز نہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص کو ہم کسی کام پر تعینات کریں اور ہم اسے اس کام کا مقررہ معاوضہ بھی دیں تو پھر وہ جو کچھ بھی اس تنخواہ کے علاوہ لے گا وہ خیانت ہو گی"[3]

سیدنا عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں خزانہ (بیت المال) کے مصارف میں حکومتی سطح پر بڑی سختی سے عمل کروایا اور ہمہ قسمی اسراف سے

---

[1] الحج، ۴۲۔

[2] البیہقی، **السنن الکبریٰ** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳ء)، ۴: ۱۰۵۔

[3] ابو داؤد، **السنن**، حدیث: ۲۹۴۳۔

منع کیا، جیسا کہ صحیح بخاری میں نقل ہے:

''أن عمر بن الخطاب كتب إلىٰ عماله أن لا تطيلوا بناءكم فإنه من شر أيامكم''[1]

''عمر بن خطابؓ نے اپنے عمال اور عہدیداران کو یہ تحریری ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی رہائش گاہیں بلند نہ کریں کیونکہ ایسا عمل بدترین دور کی علامت ہے''

حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں بطور امیر جو معاشی پالیسی وضع کی اُس کا خلاصہ کچھ یوں تھا:

''ألا أن أكون عليكم ألا وإنه ليس لي أمر دونكم ألا إن مفاتيح مالكم معي ألا وإنه ليس لي أن آخذ منه درهما دونكم رضيتم''[2]

''لوگو! میں صرف ایک شرط پر تمہارا خلیفہ بنوں گا کہ تمہارے خزانوں کی چابیاں اگرچہ میرے پاس ہوں گی لیکن میں تمہاری مرضی کے بغیر ایک درھم بھی نہ لوں گا''

سربراہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کے مصالح کا خیال رکھے اور رعایا کی اقتصادی سرگرمیوں کی نگرانی کرے کیونکہ جب حکمران رعایا کی اقتصادیات کا ذمہ دار ہے تو اسے اقتصادی سرگرمیوں میں بھی مداخلت کا حق بھی حاصل ہے۔اسلامی تعلیمات کی رو سے اقتصادی امور میں مداخلت کے معنیٰ لوگوں کے مالی معاملات کی نگرانی کرنا، معاشی انصاف فراہم کرنا، اجتماعی معاشی مفادات کا تحفظ کرنا اور عوام الناس کو اسلامی قواعد و ضوابط کا پابند بنانا ہے تاکہ معاشی لحاظ سے خوشحال معاشرہ تشکیل پائے۔

عصر حاضر میں اقتصادی امور میں ریاستی مداخلت کی عملی تطبیق:

عصر حاضر میں حکومت و ریاست کا کردار معاشی و اقتصادی امور میں گذشتہ ادوار و ازمنہ کی بدولت اہمیت کا حامل ہے۔اسلامی اصول فقہ میں ''سدّ ذرائع'' کے نام سے ایک مستقل باب ہے، مفسد اور منفعت کا تعین یقیناً ریاست کے دخل کے بغیر ناگزیر ہے۔یعنی اگر ایک کام فی نفسہ جائز ہو لیکن اس کی کثرت کسی معصیت یا مفسدے کا سبب بنے تو حکومت کیلئے جائز ہے کہ اس جائز کو بھی ممنوع قرار دیدے۔اس اصول کے تحت حکومت تمام معاشی سرگرمیوں کی نگرانی کر سکتی ہے اور جن سرگرمیوں سے معیشت میں ناہمواری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، ان پر مناسب پابندی عائد کر سکتی ہے۔ گراں فروشی کو کنٹرول کرنے کے سلسلہ میں بھی ریاست کا کردار نہایت اہمیت کا حامل ہے۔اگرچہ تاجر کو اپنی چیزوں کا نرخ (Rate) مقرر کرنے کا حق ہے اور فطری اصول و ضوابط کے تحت قیمتوں میں اضافہ کرنا بھی درست ہے لیکن اتنا اضافہ جو غیر معمولی، غیر فطری، غیر مناسب اور غیر منصفانہ ہو اور جس سے صارفین کے استحصال کی صورت پیدا ہوتی ہو درست نہیں۔ایسی صورت میں حکومت وقت کو اشیاء کی قیمتوں پر کنٹرول کرنے کی حکمت عملی اپنانی چاہیے اور عوام کو تاجروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ ایک مرتبہ بازار میں آئے تو دیکھا کہ ایک شخص کوئی چیز اس کے معروف نرخ سے کم داموں فروخت کر رہا ہے۔آپؓ نے اس سے فرمایا کہ ''یا تو دام میں اضافہ کرو ورنہ ہمارے بازار سے اٹھ جاؤ''۔تاہم روایت

---

[1] البخاری، **الادب المفرد**، ۴۵۲۔

[2] الطبری، **تاریخ الامم والملوک**، ۲:۶۹۷۔

میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ حضرت عمرؓ نے کس وجہ سے اس پر پابندی لگائی، ہو سکتا ہے کہ وجہ یہ ہو کہ وہ متوازن قیمت سے بہت کم قیمت لگا کر دوسرے تاجروں کیلئے جائز نفع کا راستہ بند کر رہا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ پابندی کی وجہ یہ ہو کہ کم قیمت پر مہیا ہونے کی صورت میں لوگ اسے ضرورت سے زیادہ خرید رہے ہوں۔ جس سے اسراف کا دروازہ کھلتا ہو، یا لوگوں کیلئے ذخیرہ اندوزی کی گنجائش نکلتی ہو۔ بہر صورت قابل غور بات یہ ہے کہ اصل شرعی حکم یہ ہے کہ ایک شخص اپنی ملکیت کی چیز جس دام پر چاہے فروخت کر سکتا ہے، لہٰذا کم قیمت پر بیچنا فی نفسہ جائز تھا۔ لیکن کسی اجتماعی مصلحت کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے اس پر پابندی عائد کی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ رقم طراز ہیں:

"فَإِن رُؤِی منهم جورٌ ظاهر لَا يَشُكُّ فيه النّاس جاز تغييرُه فإنه من الإفساد في الأرض"[1]

"اگر ان (تاجروں) کی طرف سے (قیمتوں کے تعین میں) کھلا ظلم دکھائی دے جس میں لوگ شک نہ کریں تو ان (قیمتوں) میں تبدیلی (یعنی کنٹرول) جائز ہے کیوں کہ یہ (غیر مناسب بھاؤ بڑھا دینا) فساد فی الارض ہے"

چنانچہ ایسے معاشی امور جن میں براہ راست نقصان کا اندیشہ اجتماعی طرز کا ہو، ریاست کی مداخلت ناگزیر تصور کی گئی ہے۔ اس قسم کی ریاستی پابندیوں کے واجب التعمیل ہونے کا مأخذ قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے:

"يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ"[2]

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی، اور اپنے میں سے بااختیار لوگوں کی اطاعت کرو"

اس آیت میں اولی الامر (بااختیار افراد) کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت سے الگ کرکے ذکر کر گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ جن چیزوں میں قرآن وسنت نے کوئی معین حکم نہیں دیا، ان میں اولی الامر کے احکام واجب التعمیل ہیں۔

لہٰذا اگر کوئی حکومت کسی اجتماعی مصلحت کے بغیر کوئی پابندی عائد کرے تو یہ پابندی جائز نہیں، اور قاضی کی عدالت سے اس کو منسوخ کرایا جاسکتا ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ ریاست کو مباحات پر پابندی عائد کرنے کا اختیار غیر محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے بھی کچھ اصول وضوابط ہیں، یعنی حکومت کا وہی حکم واجب التعمیل ہے جو قرآن وسنت کے کسی حکم سے متصادم نہ ہو، اور دوسرے یہ کہ حکومت کو اس قسم کی پابندی عائد کرنے کا اختیار صرف اس وقت ملتا ہے جب کوئی اجتماعی مصلحت اس کی داعی ہو۔

عصر حاضر میں جب وبائی مرض کرونا وائرس کی بدولت ملکِ عزیز پاکستان میں ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی اور مصنوعی معاشی بحران کی صورتحال پیدا ہو چکی ہے ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مصلحت کے تحت کسی بھی چیز کی خرید وفروخت پر پابندی عائد کر سکتی ہے جو بذات خود اگرچہ حرام نہ ہو بلکہ مباحات کے دائرے میں آتی ہے، لیکن اُس سے کی خرید وفروخت سے اجتماعی خرابی لازم آتی ہو۔ چنانچہ حکومت تجارتی معاملات اور درآمدات وبرآمدات کی کڑی نگرانی کا شرعی حق رکھتی ہے۔ ریاست ایسی قانون سازی کا شرعی جواز بھی

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی، **حجۃ اللہ البالغہ** (بیروت: داراحیاء العلوم، ۱۹۹۰ء)، ۲: ۳۰۱۔

[2] النساء، ۵۹۔

رکھتی ہے جس کی بدولت ذخیرہ اندوزوں کیلئے جرمانہ و قید کیساتھ ساتھ دیگر تعزیرات عمل میں لا سکتی ہے۔ کرپشن اور آمدن سے زائد اثاثہ جات کی چھان بین و جائیداد کی ضبطگی اور وراثت کی منصفانہ تقسیم کو قابل عمل بنانے کیلئے آرڈیننس اور تعزیرات پر عملدرآمد شرعاً جائز تصور ہوگا۔

نتائج وسفارشات:

مذکورہ تحقیق میں اقتصاد و معاش کے لغوی واصطلاحی معانی بیان کرتے ہوئے اسلام کے اقتصادی نظام کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ریاست کی اقتصادی سرگرمیوں میں مداخلت سے متعلق جواز کیلئے قرآن وسنت سے دلائی اور خلافتِ راشدہ کے طرزِ خلافت وحکومت سے عملی نمونہ جات پیش کیے ہیں۔ ریاست کی اقتصادی منصوبہ بندی اور رعایا کی بنیادی ضروریات پورا کرنے میں ریاست کی ذمہ داریوں اور جبراً رعایا کو معاشی اقدامات پر مجبور کرنے سے متعلق ادلہ شرعیہ بنیادی مصادر سے استفادہ کرتے ہوئے تحریر کیے گئے ہیں۔ ذیل میں اہم سفارشات ونتائج بحث ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ معاشی واقتصادی معاملات میں ریاست کے مداخلت سے متعلق قرآن مجید، احادیث اور خلفائے راشدین کے ارشادات کی روشنی میں فقہائے کرام و مجتہدین نے مختلف ازمنہ میں مختلف فتاویٰ جات نقل کیے ہیں۔ بالعموم فقہائے کرام اقتصادی امور میں بے جا ریاستی مداخلت کے قائل نہیں لیکن افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریات کے حصول، ہنگامی صورتحال میں معاشی اقدامات، اجتماعی معاشی مقاصد کے حصول اور ناجائز ذرائع معاش کے سدباب میں فقہائے کرام ریاست کیلئے خصوصی اختیارات اور مداخلت کو جائز اور بسااوقات واجب قرار دیتے ہیں۔

۲۔ وراثت کی بروقت اور مبنی بر انصاف تقسیم ریاست کی بنیادی ذمہ داری میں شامل ہے۔ اگر ورثا کی طرف سے حقِ وراثت سے کسی کو محروم کر دیا جائے تو ریاست وراثت میں حق دلوانے کیلئے شرعاً مجاز ہے ورثاء میں وراثت کی منصفانہ تقسیم کیلئے ریاست ایسی قانون سازی کرنے کا بھی حق رکھتی ہے جس سے وراثت کی خودکار منتقلی کا طریقہ ممکن بنایا جاسکے۔ وطنِ عزیز پاکستان میں گذشتہ برس عورتوں کے واراثت میں حصہ سے متعلق ریاستی مداخلت اور قانون سازی خوش آئند اَمر ہے۔

۳۔ ایسے اداروں اور ذرائع کی نجکاری جن سے بنیادی انسانی حقوق متاثر ہوں یا وہ ذرائع مشترکہ قومی ملکیت ہوں، فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اگرچہ کسی بھی دور میں خلیفہ، حکمران یا امیرِ ریاست نے ایسے معاہدات کیے ہوں تو اجتماعی مفاد میں ایسے معاہدات کالعدم ہوں گے۔ لہٰذا بنیادی ضروریات کے اداروں اور ذرائع کی نجکاری کے سلسلہ میں ریاستی مداخلت شرعی اعتبار سے مستحسن بلکہ واجب ہے۔

۴۔ ہنگامی اور جنگی حالات میں مالدار اور صاحبِ ثروت افراد سے ریاست کی مالی امداد کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ بعض فقہا کرام کے اجتہادات کیمطابق ایسی صورت میں ریاست تصدقِ اجباری (صدقہ کیلئے مجبور کرنا) پر بھی عمل درآمد کروانے کی شرعاً مجاز ہے۔ عصری تناظر میں کرونا جیسی مہلک وبا سے جس قدر معاشی واقتصادی بحران پیدا ہوا ہے، یقیناً ریاست تنِ تنہا اس قابل نہیں کہ معاشی خسارہ برداشت کر سکے، ریاست اِن حالات کے پیش نظر وطنِ عزیز کے نامور تجار، زمین دار اور مالدار افراد کو نا صرف غرباء پر خرچ کرنے پر رغبت

دلائے بلکہ ضرورت مندوں کیلئے ضروری سامانِ خورد ونوش کی فراہمی کیلئے متمول افراد واداروں کو پابند کرے تاکہ معاشی بحران اور غذائی قلّت پر قابو پایا جائے۔

۵۔اسلامی تعلیمات کی رو سے ایسے تمام ذرائع معاش جو شرعی، اخلاقی اور قانونی اعتبار سے ناجائز وحرام ہیں جیسا کہ، گداگری، جوا، قمار اور سٹہ بازی وغیرہ کے انسداد اور لوگوں کو ایسے ذرائع معاش اختیار کرنے سے جبراً روکنے میں آزاد ہے۔اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ وہ ایسے اقتصادی امور میں مداخلت کرتے ہوئے متبادل جائز ذرائع کو فروغ دینے میں نہ صرف اپنا کردار ادا کرے بلکہ سہولیات پیدا کرے۔

۶۔ نظامِ زکوۃ کا نفاذ ریاستی ذمہ داری ہے جس کا قیام ریاستی سرپرستی کے بغیر ممکن نہیں۔عصری تناظر میں جب صاحبِ مال و متمول افراد ''نصاب'' تک پہنچنے کے باوجود بھی زکواۃ ادا نہ کریں تو ریاست اس سلسلہ میں خصوصی اختیارات کے تحت ایسے افراد کے خلاف نہ صرف کاروائی عمل میں لا سکتی ہے بلکہ جبراً زکواۃ وصول کرنے کیساتھ ساتھ اضافی مال کا مطالبہ بھی کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عہد حکومت میں زکوۃ نہ دینے والوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا تھا۔

@ 2020 by the author, this article is an open access article distributed Under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC-BY) (http://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)